## حدیث - ۵

# ایمان کا ذوق اور مزہ

عن العباس بن عبدالمطلب انه سمع رسول اللّٰہ ﷺ یقول : ذاق طعم الایمان من رضی باللّٰہ ربّا وبالاسلام دینا و بمحمد رسول۔

(صحیح مسلم (شرح نووی) ج ۲/۲ تحفۃ الاحوذی، م ۳۷۲/۷۔ مسند الامام احمد بن حنبل، م ۲۰۸/۱)۔

''حضرت عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''جو شخص اس پر راضی ہوگیا (یعنی یقین جما لیا) کہ اللہ ہی خالق و مالک، رازق و پرورش کرنے والا ہے۔ اور اسلام کو اپنا دین مان لیا اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول برحق تسلیم کرلیا، اس کو ایمان کا مزہ مل گیا۔''

ایمان کا مزہ اس کو ملے گا، جس نے اس بات کا یقین کرلیا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا پالن ہار ہے۔ وہی اس کی پرورش کرتا ہے، وہی اس کی تمام ضروریات کا ذمہ دار ہے اور وہی ساری دنیا کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ خود اس کا ارشاد ہے:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ۔ (الشعراء: ۷۷-۸۱)

''وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدائے رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے۔ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب بیمار پڑتا ہوں تو مجھے وہی شفا بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔''

دوسری جگہ فرمایا:

قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَئْيٍ.(الانعام:١٦٤)

''کہو کیا میں خدا کے سوا اور پروردگار تلاش کروں؟ اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے۔''

ایک آیت میں رب بمعنیٰ آقا و مالک کے استعمال ہوا ہے فرمایا:

هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (ہود:۳۴)

''وہی تمھارا پروردگار ہے۔ اور تمھیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

ثُمَّ اِلىٰ رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ (الزمر:۷)

''پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

ان آیتوں کو پڑھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ رب کا لفظ، حاکم و مالک سب معنیٰ پر مشتمل ہے، رب کا لفظ ہم کو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حاکم مطلق ہے کوئی اس کا شریک نہیں، پوری کائنات اسی کے زیر فرمان ہے وہی اس کا بلا شرکت غیرے مالک ہے، اسی کا فرمان چلتا ہے، کسی اور کافر کی مجال نہیں، اس حیثیت سے وہ ہمارا بھی مالک و خالق ہے اور سارے عالم اور عالم میں جو کچھ ہے اس سب کا بھی وہی خالق و مالک ہے اور ہر جگہ اسی کا حکم چلتا ہے۔ لہٰذا وہی ہمارا کفیل و ذمہ دار ہوا اور وہی ہمارا محافظ و نگہبان، (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں) جو شخص اس حدیث کی معنویت و گہرائی و گیرائی پر غور کرے گا اس کو ایمان کا صحیح لطف و مزہ حاصل ہوگا یہی معنیٰ آپ ﷺ کے اس ارشاد'' جس نے اللہ کے اپنے رب ہونے کا عقیدہ رکھا اور اس کو پسند کیا'' کے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب نہ مانا اور اسلام کے اصول و طریقوں کے علاوہ کسی اور دین کی طرف نہ دیکھا وہی راہ چلا جو حضور ﷺ کے لائے ہوئے دستورِ حیات اور شریعت کے مطابق تھی، اس میں شبہ نہیں کہ جس شخص کے اندر یہ خصوصیات پائی جائیں گی، اس کے دل میں ایمان کی صحیح مٹھاس پائی جائے گی، اور وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ (صحیح مسلم (شرح نووی) ج ۱ ص ۲

حدیث کا یہ جز کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانا اور وہ آیات جو اوپر مذکور ہوئیں اس بات کو بتاتی ہیں کہ معبود ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لئے کہ شان معبودیت اسی میں پائی جاتی ہے، تنہا وہی ان صفات کا جامع اور تمام نقائص اور خامیوں سے پاک ہے، رضی بـا للہ ربّاً کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا نہ کوئی اور خالق ہے نہ رازق ہے اور نظام کائنات میں کوئی اس کے سوا تصرف نہیں کر سکتا، چنانچہ بندہ شعائر عبادت میں صرف اللہ یکتا کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اپنی امید وطلب میں بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، خوف وتقویٰ میں بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (البقرہ:۱۶۳-۱۶۵)

قرآن کریم عقیدۂ توحید اور زندگی اور دل میں اس کے تقاضوں کے مابین بڑا گہرا ربط وتعلق پیدا کرتا ہے۔

ہم ان آیات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً ایک اللہ اور ایک معبود سے ابتدا فرمائی ہے، پھر اس کے بعد کائنات کی ان چیزوں کو بیان فرمایا ہے، جن سے اس کے معبود ہونے کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ ان حقائق کو اچھی طرح واضح کر دینے کے بعد، قیامت کے منظر کو بیان فرمایا۔ جس میں صرف اسی کی قوت قاہرہ کا ظہور ہوگا، باقی ساری طاقتیں (جو اس نے اپنی مخلوق، خصوصاً انسان کو عطا کی ہیں) ختم ہو چکی ہوں گی۔ انھیں آیات کے سیاق میں ان لوگوں کو متنبہ فرماتا ہے جو اس کے مقابلے میں خدا کی یکتائی کے سلسلے میں جاہلیت کی عادات کو اپناتے ہیں، اس کے بعد مؤمنین کو حکم دیتا ہے کہ اس نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال فرمایا ہے ان کو کھائیں، اور جن چیزوں کو اس طرح بیان فرمادیا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ، وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ:۱۷۳)

''اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جن چیزوں پر خدا کے سوا کسی اور

کا نام پکارا جائے، حرام کر دیا ہے ہاں جو ناچار ہوئے (بشرطیکہ) خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک خدا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس طرح کی بہت سی قرآنی آیات توحید کے سیاق میں آتی ہیں جو توحید کے معنیٰ کو کھول کھول کر بیان کرتی ہیں۔ علماء نے توحید کو تین قسموں پر محمول کیا ہے۔

(۱) تمام مخلوق کا وہی تنہا پالنہار ہے۔

(۲) صرف اسی کی ذات قابل عبادت ہے۔

(۳) وہ اپنے نام اور صفات میں بھی یکتا ہے۔

ایمان کا لطف اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ بندۂ مؤمن توحید کی ان تینوں قسموں کے مفہوم پر پوری گہرائی کے ساتھ غور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی ان تینوں قسموں کو اپنے اس ارشاد میں جمع فرما دیا ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (مریم:۶۵)

''یعنی آسمان اور زمین کا اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار، تو اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو بھلا تم کوئی اس کا ہم نام جانتے ہو۔''

جہاں تک مخلوق کے پالنہار ہونے میں اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت اس سے ہو جاتی ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے اور نظام کائنات کو چلانے پر وہ تنہا قادر ہے، اس کو کسی کی مدد اور شراکت کی ضرورت نہیں، جس کا ثبوت اس کا یہ ارشاد ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

(الاعراف:۵۴)

''دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ خدا رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

اسی طرح کا یہ ارشاد:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(آل عمران:۱۸۹)

''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کو ہے، اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔''

توحید ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس عالم کو بنانے والے دو نہیں ہیں کہ دونوں اپنے افعال وصفات میں برابر ہوں خدا کی یہ یکتائی بلاشبہ برحق ہے، بہت سے اہل نظر، ماہرین علم کلام اور صوفیہ کے نزدیک یہی مقصود ہے۔ کسی انسانی جماعت نے توحید کی اس قسم کی ضد نہیں تسلیم کی ہے، بلکہ فطری طور پر دلوں میں یہ اقرار پہلے سے موجود ہوتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ اہمیت کے ساتھ جو موجودات میں کسی اور چیز کے بارے میں ہو سکتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں رسولوں کی زبان سے کہلوایا گیا ہے:

أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراہیم:۱۰)

'' ان کے پیغمبروں نے کہا کیا (تم کو) خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔''

کائنات کے بنانے والے کے انکار اور اس سے تجاہل برتنے کا سب سے زیادہ مشہور شخص فرعون ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل:۱۰۲)

''تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان کو کسی نے نازل نہیں کیا، (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو،

اسی لئے جب فرعون نے تجاہل برتتے ہوئے انکار کے طور پر حضرت موسیٰ سے کہا (وما رب العالمین) ساری دنیا کا رب کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے اس سے کہا:

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ، قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ، قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ، قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (الشعراء: ۲۳-۲۸)

''کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک ہے بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو، فرعون نے اپنے ہالی موالی سے کہا کہ کیا تم سنتے نہیں ہو (موسیٰ نے کہا) تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مالک، فرعون نے کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، باؤلا ہے (موسیٰ نے) کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب کا مالک بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔''

ایمان کا مزہ وہی شخص پا سکتا ہے جو دل سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لے۔ اس کا یہ یقین و عقیدہ بن جائے کہ ساری مخلوق کا پالنہار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، پیدا کرنے، رزق عطا کرنے اور نظام کائنات کو چلانے میں یکتا ہے، وہی ہے جس نے تمام مخلوق کو اپنی نعمتوں سے بڑھایا اور پروان چڑھایا، اور مخلوق کے خواص کی بھی پرورش و تربیت اسی نے کی، وہ ہیں انبیاء کرام اور ان کے متبعین جو صحیح عقیدہ، اچھے اخلاق، مفید علوم اور نیک اعمال میں انبیاء ہی کے نقش قدم پر ہوتے ہیں۔

جہاں تک توحید عبودیت کا تعلق ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تنہا اسی کی عبادت کی جائے، اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، خواہ فرشتہ ہو یا نبی، کوئی ولی ہو، یا درخت اور پتھر، یا چاند، جو کچھ بھی ہو جیسا بھی ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں عبادت کی مستحق تنہا اسی کی ذات ہے۔ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (النساء:۳۶)

اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

دوسری آیت میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (الانبیاء:۲۵)

''اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف بھی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری ہی عبادت کرو۔''

اللہ کو معبود ماننے میں رب کے بھی ایک ہی ہونے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں کہ عبادت صرف اسی کی کی جا سکتی ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس لئے کہ مشرکین عرب بھی رب ایک ہی کو مانتے تھے، کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے، جیسا کہ خود قرآن کریم اس کی شہادت دیتا ہے۔ فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (لقمان: ۲۵)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے۔

دوسری جگہ فرمایا:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (المومنون:۸۴،۸۵)

''کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کس کا مال ہے تو جھٹ بول اٹھیں گے کہ خدا کا، کہو پھر سوچتے کیوں نہیں۔''

قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ وہ بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ تخلیق عالم میں یہ شریک ہیں، معلوم ہوا کہ اصل توحید معبود کا ایک ہونا ہے، جس سے رب کے معنیٰ خود ہی واضح ہو جاتے ہیں، کہ جو معبود و خالق ہوگا وہی پالنہار بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ

عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم:۳۰)

''تم ایک طرف کے ہوکر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ اور خدا کی فطرت کو جس پر ان لوگوں کو پیدا کیا ہے، (اختیار کئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

ایمان کا مزہ اسی کو آئے گا جو تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری مخلوق کا معبود اور خدا ہے ساری عبادتیں اس نے اپنے لئے خاص کر لی ہیں اور دین **خالصة الله** ہی کے لئے ہے۔

ناموں کی صفات میں یکتا ہونے کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کے ناموں اور صفتوں میں بھی کوئی شریک نہیں ہوسکتا ہے، اس عقیدے کی تکمیل اس طرح ہوسکی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جو نام اور صفتیں خاص کر لی ہیں ان میں کوئی بھی اس کا شریک وہمسر نہیں ہوسکتا، اسی طرح اللہ کے رسول نے اس کی صفات بیان کی ہیں ان سب میں کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ان صفات میں کوئی رد و بدل کر کے کسی کو شریک کیا جا سکتا ہے نہ اس کی کسی صفت کو معطل کر کے اور نہ ہی اس کی کیفیت، شکل، تشبیہ اور مثال دے کر۔

لہٰذا جو چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمادی ہے اس کی نفی جائز نہیں یا اس صفت کو اپنے لئے بیان فرمادیا ہے، کسی کی بھی نفی جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ خود فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (الاعراف:۱۸۰)

''اور خدا کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو اس کے ناموں سے پکارا کرو اور جو لوگ اس کے ناموں میں جھگڑا ڈالتے ہیں ان کو چھوڑ دو وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کی سزا پائیں گے۔''

اگر اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہم کسی طرح کی تبدیلی کریں گے تو گویا اس کی صفت کو معطل کرنا ہوا جس سے نص کے حکم کو بدلنا یا اس کو جھٹلانا لازم آئے گا اور یہ بھی لازم آئے گا کہ گویا

باللہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں نقص وعیب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے مثال کے طور پر کسی نام وصفت کا بیان کرنا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس کا ارشاد ہے لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (النحل:۷۴)

''تو لوگو خدا کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ (صحیح مثالوں کا طریقہ) خدا ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک پایا جاتا ہے، جس سے نص میں تحریف لازم آتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی تنقیص کے ساتھ اس کا جھٹلانا لازم آتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں اس کی مثال ناقص وعیب دار مخلوق سے دی جاتی ہے۔

جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کی اور اس کو ناکارہ بتایا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید ہی کو غلط قرار دے دیا اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دی تو اس کی اس تشبیہ سے توحید کو نقص لازم آئے گا۔

رب کے ایک ہونے کا انکار تو انسان کی ایک شاذ جماعت ہی نے کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں فرمایا کہ اس نے کہا ما علمت لکم من الہ غیری۔ اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو ان الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ. (بنی اسرائیل:۱۰۲)

تم جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان کو کسی نے نازل نہیں کیا۔

(اور وہ بھی تم لوگوں کو) سمجھانے کو۔

یہ سب کچھ محض تکبر کی بنا پر تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنْفُسُهُمْ ظُلْماً وَّعُلُوّاً۔ (النمل:۱۴)

بے انصافی اور غرور سے انھوں نے انکار کیا کہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے، جب یہ دنیا اور اس میں جو حوادث پیش آ رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رب ہونے پر گواہ ہیں، تو یہ طے شدہ بات ہے کہ مخلوق کا کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے، اور ایسے حوادث جو پیش آ رہے ہیں، ان کو بھی وجود میں لانے والی کوئی ذات ہے ضرور۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ (الطّور:۳۵،۳۶)

''کیا کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا بہ خود (اپنے تئیں) کرنے والے ہیں یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔''

جب اس حقیقت کا جواب دیا گیا جو ضروری تھا، تو ان منکرین خدا نے کمزور و بے سروپا جوابات دیئے اور کچھ حیران ہو کر رہ گئے کچھ جواب ہی نہ سوجھا۔

مسلمان جن باتوں کا بھی مکلّف بنایا جاتا ہے، خواہ وہ از قسم عبادت ہوں جو اس کے لئے ضروری قرار پاتی ہیں، یا مسائل زندگی ان سب کا ذکر ایک ہی سیاق میں توحید اور نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ کے متصرف ہونے اور قوت و قدرت کے ساتھ ہوتا ہے، اس عقیدے کے ساتھ ساتھ معبود و مالک کے ایک ہونے کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ کے قانون کے اتباع اور اس پر عمل کا حکم دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ، بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَتَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:۱۶۳-۱۶۵)

''اور (لوگو!) تمھارا معبود خدائے واحد ہے۔ اس بڑے مہربان (اور) رحم کرنے والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں، اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے پیچھے سرسبز) اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں، عقل مندوں کے لئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر خدا کو شریک (خدا) بتاتے ہیں، اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں۔ لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو خدا ہی کے سب سے زیادہ دوست دار ہیں۔''

قرآن کریم کے اس طرح کے محکم اور پختہ اسلوب بیان میں توحید اور اس کی وسعت پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔

''ایمان کی لذت اس کو نصیب ہوگی جس نے اپنا مالک و پالن ہار اللہ تعالیٰ کو مان لیا۔''

یعنی اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ بندے کے جو بھی اعمال ہوں گے اور ان کا تعلق اس کی ذات سے ہوگا جیسے قربانی، نذر، دعا، خوف، امید و بھروسا، شوق اور ڈر، خضوع و خشوع، طلب مدد اور فریاد، اس کے علاوہ اور وہ تمام اعمال جن کو اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے اور بندوں کو ان کے کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی اہل و مستحق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

اسی طرح ایمان کا مزہ اس کو آئے گا جو اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں اور اس کی صفات عالیہ کو اسی یکتا و بے ہمتا کے لئے خاص کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفات بیان فرما دی ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی جو صفات بتائی ہیں ان کا پایا جانا قطعی اور یقینی ہے خواہ اس کی کیفیت سمجھ میں نہ آئے اور اس کی مثال نہ دی جا سکے، نہ تو ان صفات میں تبدیلی ہو سکتی ہے نہ وہ کبھی ختم ہو سکتی ہیں جیسے اس کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی ایسے ہی اس کی صفات ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہیں گی، اس جیسا کوئی نہیں وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں کلام فرمانا، رحمت، غصہ، رضا، سننا اور دیکھنا، چہرہ، دونوں ہاتھ، آنا اور اترنا، عرش پر جلوہ افروز ہونا، وغیرہ سب ثابت ہیں۔ البتہ ان کی کیفیت ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ ان تمام صفات کو بندوں یا مخلوق کی صفات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے رب و مالک تسلیم کرنے کا عقیدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کی گفتگو سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ، قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (البقرہ:۲۵۸)

''بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (نمرود کے) سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا جب ابراہیم نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجئے (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا اور خدا بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

نمرود بادشاہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان سے بحث و مباحثہ کیا وہ خدا کے وجود کا منکر نہیں تھا، بلکہ اللہ کی وحدانیت اور خدائی میں یکتائی کا منکر تھا

وہ نظام کائنات میں تنہا اللہ تعالیٰ کے تصرف وفرمانروائی کا منکر تھا۔

یہ سرکش بادشاہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و پروردگاری کے بعض مفاہیم ومعانی کا انکار محض اپنی بادشاہت کے غرور اور گھمنڈ میں کر رہا تھا۔ حالانکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اس عطا اور دین کا معترف وشکر گذار ہونا چاہئے تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس کی اس قدر ناشناسی وکفرانِ نعمت پر اس کا تعجب وحیرت کے اسلوب میں ذکر فرماتا ہے۔ فرماتا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَآجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ.

''بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (نمرود کے) سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی۔ ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔''

قرآن کریم کا یہ اسلوب بیان بادشاہ کے انکار کو جس شناعت کے لہجے میں بیان کر رہا ہے وہ بتاتا ہے کہ اس پر ربوبیت کا پورا مفہوم کھلا نہیں تھا، لہٰذا اس نے اللہ کے رب ہونے کا انکار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اس کی ان صفات سے پہچانا جن میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا گمان وخیال بھی نہیں کرسکتا، چنانچہ اس بادشاہ کے جواب میں کہ تمہارا رب کون ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ مزید صفات خود اس سے قبل کی آیت میں بیان ہوئیں۔ یہ وہ صفات ہیں جن میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں۔ چنانچہ آخر بادشاہ لاجواب ہوگیا۔ اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ایمان کا مزہ اس کو ملتا ہے، جو صرف اسلام کو اپنا دین ومذہب تسلیم کرتا ہے، اور اس پر مطمئن وراضی رہتا ہے کہ اسلام اپنی ساری اقدار کے ساتھ انسانی زندگی کیلئے عملی دستور حیات ہے، ایسا دستور جو اس اعتقادی تصور وخیال پر بھی مشتمل ہے جو کائنات کی بھی وضاحت کرتا ہے اور اس کائنات میں انسان کا کیا مقام ہے اس کو بھی بتاتا اور بیان کرتا ہے جیسا کہ وہ انسان کی تخلیق کے مقصد عظیم کو بیان کرتا ہے، یہ دستور اجتماعی نظام اور عملی ضوابط جو اسی عقیدے کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں اور اس کا سہارا لیتے ہیں ان سب پر مشتمل ہے اور ان کو انسانی زندگی میں عملی طور پر پیش کرتا ہے مثلاً اخلاقی نظام۔

اسلام تو وہ سرچشمہ جاری ہے جس سے یہ سب چیزیں وجود میں آتی ہیں، وہ اصول

اور بنیادیں جن پر اخلاقی نظام قائم ہوتا ہے وہ طاقت جو اس سے حاصل ہوتی ہے، سیاسی اصول و ضوابط اور اس کا ڈھانچا، اس کی خصوصیات اسی طرح سماجی نظام اور اسکی بنیادیں اور قدریں۔ اقتصادی نظام اور اس کا فلسفہ اور اس کو عملی شکل دینا۔ ملکی قوانین اور اس کے جملہ شعبہ جات۔

یہ اسلام کی ہمہ گیر اور عملی تصویر ہے، جو احساسات انسانی پر اثر انداز ہوتی ہے اور دلوں میں جھرجھری پیدا کر دیتی ہے۔ جو شخص بھی اسلام کی اس ہمہ گیری پر راضی ہو گیا اس کو اسلام کا مزہ آئے گا۔ یہ ہے اسلام کی وسعت و ہمہ گیری جو تمام سابقہ تعلیمات نبوت کی جامع اور تمام انبیاء سابقین کی توثیق و تصدیق کرتی ہے اور پہلے آنے والے تمام رسولوں کے دین کو ایک بتاتی ہے، اور سبھی سابقہ دعوتوں اور رسالتوں کو ایک ہی اصل سے ملاتی ہے۔ اسلام کی ان ساری خصوصیات و امتیازات کے ساتھ اس کے اقرار کی اصل روح اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب دل کے اقرار کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی پسندیدگی اور اس پر بالکلیہ رضامندی کا مزہ حاصل ہو۔

یہ ہے وہ دین جس کا انسان سے مطالبہ ہے اور جس کے سامنے ساری کائنات سرنگوں ہے۔ قرآن کریم کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرتا ہے:

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعاً وَّ كَرْهاً وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (ال عمران:۸۳)

''کیا یہ (کافر) خدا کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ حالانکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا زبردستی اس خدا کے فرمانبردار ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

آیت سے واضح ہو گیا کہ پوری کائنات حکمِ خداوندی کے سامنے سرنگوں اور خدائی نظام کے تابع فرمان ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ کے ارشاد، ذاق طعم الایمان میں کتنی بلاغت ہے، تاکہ کسی کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ اسلام محض الفاظ کا ایک مجموعہ ہے جس کو صرف زبان سے ادا کر لیا جائے۔ بس اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی اور اس پر عمل کی چنداں ضرورت نہیں نہ عملی زندگی میں اس کو برپا کرنا ضروری ہے، آیت کریمہ:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى

الاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔ (ال عمران:۸۵)

'' اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا۔ اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''

لہٰذا صرف شہادتوں کا زبان سے ادا کر لینا اسلام نہیں جب تک کہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اور اس کے معانی کی عملی زندگی پر فرماں روائی نہ ہو۔

حدیث کا دوسرا جزء کہ ذاق طعم الایمان من رضی بمحمد رسولا ایمان کا مزہ اس کو ملے گا جو محمد ﷺ کو اللہ کا رسول برحق تسلیم کرے کہ اس لئے کہ اس دستور حیات کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے لانے والی ذات گرامی آپ ہی کی ہے اسی لئے فرمایا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء:۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

آیت کریمہ قسم کے ساتھ بطور تاکید کے نازل ہوئی ہے۔ اس میں کسی طرح کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے نہ کوئی ابہام پایا جاتا ہے، کھلی ہوئی صراحت ہے، حضور ﷺ کو حکم بنانا شریعت خداوندی کو حکم بنانا ہے اگر یہ نہیں تو حضور ﷺ کی وفات کے بعد نہ شریعت باقی رہتی نہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت!

''علامہ ابن قیم اس کو بہت باریک بینی اور پورے مالہ و ماعلیہ کو نظر میں رکھتے ہوئے اس کو نہایت عام فہم انداز میں پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: یہ حدیث اللہ تبارک وتعالیٰ سبحانہ کی ربوبیت، معبودیت، آپ کے حبیب محمد عربی ﷺ کی رسالت اور اطاعت، دین کی پسندیدگی اور اپنی خواہش کو اس کے تابع بنا دینے کے مفہوم پر مشتمل ہے، اور جس بندۂ مومن میں یہ چاروں چیزیں

جمع ہو جائیں وہی صحیح معنیٰ میں صدیق ہے۔ زبان سے دعویٰ کرنا تو بڑا آسان ہے۔ لیکن حقیقۃً اس پر قائم رہنا اور امتحان و آزمائش کے وقت جب کہ شریعت کا حکم اپنی خواہشات نفسانی سے ٹکرا رہا ہو ثابت قدم رہنا اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب کہ زبانی اقرار کا ساتھ دل بھی دے رہا ہو ورنہ آدمی خواہشات نفسانی اور دنیاوی مفاد کے سامنے دین کے حکم کو پس پشت ڈال دیتا ہے اس وقت جب دینی حکم دنیاوی اغراض و مقاصد سے ٹکرا رہا ہو دین پر جمنا مشکل ہو جاتا ہے اسی لئے کسی نے کہا ہے:۔

چوں می گویم مسلمانم بہ لرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

شاعر کہتا ہے کہ جب میں اپنی زبان سے کہتا ہوں کہ مسلمان ہوں تو کپکپا اٹھتا ہوں اس لئے کہ لا الٰہ کے اقرار کے بعد کی پابندیوں کو جانتا ہوں کہ پھر اس کلمے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کس طرح اپنے کو اس کے سامنے جھکا دینا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود تسلیم کر لینا اس بات کا متقاضی ہے کہ تنہا اسی ذات بے ہمتا سے محبت کی جائے دل میں تنہا اسی کا خوف ہو، ساری امیدوں کا مرکز وہی ذات عالی ہو، اسی کی طرف رجوع و انابت ہو، ہر طرف سے کٹ کر اسی کو اپنا کارساز مانا جائے، جب یہ کیفیت پائی جائے گی تو بندہ خلوص کامل کے ساتھ تنہا اسی کی عبادت کرے گا اور اسی کے حکموں پر چلے گا۔ اور جب بندہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مالک و پالنہار مانے گا تو اس کے ساتھ آقا کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے گا اس پر راضی و خوش رہے گا، صرف اسی کی ذات پر بھروسہ کرے گا، اسی سے مدد و نصرت کا طلبگار رہوگا۔ لہٰذا جو اس کا حکم ہو اس پر کاربند ہو اور اس کی طرف سے جو کچھ مقدر ہو اور پیش آئے اس پر صبر و رضا سے کام لے۔

رہا اللہ کے نبی کے رسول ہونے کو تسلیم کرنا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ پورے طور پر اللہ کے رسول کی اطاعت کرے اور خود کو ان کے حکموں کے تابع بنائے ایسا کہ آپ کا حکم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو، آپ ہی کے فرمودات سے روشنی حاصل کرے، زندگی کے جو مسائل پیش آئیں ان میں آپ ہی کے ارشادات کو حکم بنائے، کسی اور قانون و ضابطہ کا سہارا نہ لے اور نہ ہی

کسی اور کے فیصلہ پر قطعاً راضی ہو نہ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات میں، نہ ہی اس کے کاموں اور فیصلوں میں، اور نہ ہی ایمانی لطف ومزہ، اور ایمانی بلندی اور قدر ومنزلت میں، ان تمام چیزوں کے بارے میں کسی اور کی لن ترانی کو قبول نہ کرے، ہاں اگر کسی وقت ان حکموں اور تقاضوں پر عمل کرنے میں بے بس ہو جائے اور اس کو عمل کا یارا نہ رہے تو اس کا عذر ایسے ہی قابل قبول ہوگا جیسے کسی جاں بہ لب بھوکے کا کہ جان بچانے کے لئے حرام چیز کا کھالینا جائز اور قابل قبول عذر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین جن چیزوں کا حکم دیتا ہے ان پر عمل کرے اور جن باتوں سے روکتا ہے ان سے باز رہے، اور اس دینی حکم سے اپنے دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کرے۔ (مدارج السالکین: ج ۲: ۱۷۱-۱۷۵)

ان ساری تفصیلات کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام کے تابع ہو جانے کے لئے تو اتنا کافی ہے کہ اسلام کا جو حکم وفیصلہ ہو اس پر عمل کر لے بس، لیکن ایمان کے بارے میں اتنی بات کافی نہیں بلکہ دل کا انشراح وخوشی اور اطمینان قلب کے ساتھ اس پر راضی رہنا اور حضور پاک ﷺ کو زندگی کے ہر ہر عمل میں اسوہ اور نمونہ بنانا تاکہ "ذاق طعم الایمان من رضی بمحمد رسولاً"۔ کا دعویٰ اس پر پوری طرح منطبق ہو سکے۔

## موجودہ حالات اور حدیث

حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور کارساز مان لینے کے بعد اسی کی ذات پاک سے محبت کی جائے اور عبادت تو عبادت، زندگی کے سارے اعمال اسی کی رضا کے شوق میں کئے جائیں۔

اس نے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل اسی کی رضا کے لئے ہو اور جن چیزوں سے روکا ہے اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے ان سے باز رہا جائے اور بندوں میں سے جس سے محبت ہو اس بنا پر ہو کہ وہ خدا کا فرمانبردار ہے۔ اور جس سے ناراض ہو اس کا سبب صرف یہ ہو کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کو اپنا دین مان لینے کے بعد اس پر عمل لازم ہے، بلکہ اس کی دعوت دینا اور اس راہ میں جو تکلیف اٹھانی پڑے اس پر صبر کرنا تقاضۂ ایمان ہے دین کے ارکان اور ظاہری وباطنی حکموں پر عمل خواہ وہ اعتقاد سے تعلق رکھتے ہوں یا قول وعمل سے۔ وہ

عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات واخلاقیات اور آداب زندگی سے، حاصل یہ کہ تمام چیزوں میں دین ہی کے تقاضے پر عمل ہو۔

حدیث سے یہ بھی رہنمائی ملتی ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے اس کی دل سے تصدیق کی جائے اس کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہ رہے اور جو کچھ آپ نے فرمایا اس پر عمل ہو جن باتوں سے روکا ہے ان سے بچا جائے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، ان کے حکموں پر چلا اور منع کی ہوئی چیزوں سے بچا، رسول ﷺ کی لائی ہوئی خبر کو دل کی سچائی کے ساتھ مانا آپ کی لائی ہوئی شریعت کو اپنا حکم بنایا، اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلا اور ان پر چلا وہی صحیح معنوں میں ایمان کا مزہ پائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کرے گا، اپنے لطف وکرم سے اسکو جنت کی بہاروں میں داخل کریگا اور اس سے راضی وخوش ہوگا، محض اللہ کی دین ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

## حدیث کا فقہی پہلو

رضی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شرعی احکام پر عمل کرنے میں کوئی تکلیف نہ معلوم ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ شرعی حکم وفیصلہ پر اس کو کوئی اعتراض نہ ہو اور نہ اس کے حکم وفیصلہ سے غصہ ہو۔ جس طرح کہ بیمار کڑوی دوا پینے پر راضی ہو جاتا ہے، روزہ دار سخت گرمی کے موسم میں بھوک پیاس کی شدت کو برداشت کرتا ہے اور مجاہد میدان جہاد میں زخموں کی تکلیف کو برضا ورغبت جھیلتا ہے۔

حضرت ابوعثمان سے آپ ﷺ کے دعائیہ الفاظ "أسألک الرضا بالقضا" کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: کہ فیصلے سے پہلے رضا کا مطلب ہے رضا کا عزم وارادہ رکھنا۔ فیصلے کے بعد رضا کا مطلب ہے اظہار رضا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو لکھا۔ ساری خوبیاں (ہر حال پر) راضی رہنے میں ہیں اگر راضی رہ سکتے ہو تو خوب، ورنہ صبر سے کام لو۔

رضا کی تین قسمیں ہیں۔ ایک رضا تو عوام کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دے دیا، ان کی قسمت میں لکھ دیا اس پر راضی رہیں، اور ایک خواص کی رضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرما دیا ہے اس پر قانع اور راضی ہیں۔ ایک خواص الخواص کی ہے، کہ وہ ہر حال میں اس سے راضی رہتے ہیں۔